بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری
قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ السَّعِیۡد مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

ستمبر 2025ء / ربیع الاوّل ۱۴۴۷ھ
جلد نمبر 17، شمارہ نمبر 9 قیمت: 30 روپے • سالانہ ممبر شپ: 350 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- قبلہ کی تبدیلی پر سوالات؛ بے وقوفی
- حیا کی اہمیت
- حضرت ابویعلیٰ شدّاد بن اوس انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ
- پانی کی انسان دشمنی یا فطرت سے جنگ کا بھیانک انجام
- ''عقل'' سے متعلق احوال؛ احادیث کی روشنی میں (1)
- عثمانی سلطنت کے پانچویں حکمران؛ سلطان محمد اوّل
- افغانستان رپورٹ
- مالی میں فوجی بغاوتیں؛ اسباب، اثرات اور مستقبل کے امکانات
- انسانی سماج کی تشکیل کے قرآنی اُصول
- قرآنی اُصولوں کی تفہیم؛ سیرتِ نبوی ﷺ کے تناظر میں
- سورت الکہف میں بیان کردہ چار واقعات کی اہمیت
- آپ ﷺ کی سیرت کے چار مراحل؛ سورتِ کہف کے تناظر میں
- ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور کے پچیس سال؛ شان دار نقطۂ آغاز
- تکمیل کتاب ''البُدُورُ البَازِغَه'' وآغاز ''فُیُوضُ الحَرَمَین''
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا
شاہ عبدالقادر
رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

''یہ سچ ہے کہ (جدید علوم میں) اس اشتغالِ بلیغ (بہت زیادہ مشغولیت) کی وجہ سے مذہبیت (مذہب سے وابستگی) کمزور ہوتی چلی گئی، مگر ہم کیا کریں، ہم مذہب کے لیے آئندہ دور میں (بہ ظاہر) پُراُمید نہیں ہیں۔ تاہم اپنا (دینی) فرض محسوس کرتے ہیں کہ باوجود ذرائع مفقود سمجھنے (اسباب مہیا نہ ہونے) کے، لوگوں کو مذہب کی طرف دعوت دیتے رہیں اور مذہبی تعلیم کے لیے بھی ترغیب دیتے رہیں۔ ابھی تک تو کوئی (مطلوبہ شخص) نظر نہیں آیا۔ ہوسکتا ہے کوئی اللہ کا بندہ اس زور (طاقت) کا آئندہ آجائے جو رُخ بدلنے میں کامیاب ہوجائے۔ اگر دین کو ساتھ لے کر ترقی کی جائے، ممکن تو ہے، مگر اس وقت (ہندو مسلم کشیدگی کے جذباتی ماحول میں) اس کے سامان مفقود (اسباب موجود نہیں) ہیں''۔

(۲۷/ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ/ 22/نومبر 1946ء، بروز: جمعہ، مقام: نظام الدین، دہلی)
(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 231، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

قبلہ کی تبدیلی پر سوالات: بے وقوفی

گزشتہ دو رکوع (2-البقرہ: آیات: 122 تا 141) میں بنی اسرائیل اور یہودیوں کے سامنے ملّتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کی حقیقت اور ملت کے پہلے مرکز بیت اللہ الحرام مکہ مکرمہ کی قرار واقعی مرکزیت کا تعارُف تھا اور پھر یہودیوں کی طرف سے ملتِ ابراہیمی سے کیے گئے اِنحرافات کا تذکرہ تھا اور یہ حقیقت واضح کی گئی تھی کہ حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اسی ملت کی اتباع کی دعوت دی تھی۔ اس ملت میں یہودیت اور نصرانیت کی تحریف بہت بعد کی بات ہے۔ اس تحریف شدہ ملت کی اَساس پر ملتِ محمدیہؐ سے جھگڑا کرنا' کسی طور مناسب نہیں ہے۔

آئندہ آیات (2-البقرہ: 142 تا 150) میں ملّتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کے اصل قبلے کے بارے میں یہود و نصاریٰ اور منافق مسلمانوں کے سفاہت اور بے وقوفی پر مشتمل شکوک و شبہات کا ردّ کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ کی طرف سے خانۂ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا جو آخری حکم دیا گیا ہے، وہی ملّی اُصولوں پر پورا اُترتا ہے۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَاؕ

(اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ: کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو اُن کے قبلہ سے، جس پر وہ تھے؟): انسانیت کی اجتماعی ترقی اور کامیابی کے لیے ایسے مراکز کی ضرورت ہوتی ہے، جہاں اُن کی اجتماعی تعلیم و تربیت کا بندوبست ہو۔ ملّتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کا تشریعی نظام امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کیا تھا، وہ حنیفی تھے، اس لیے اللہ کی عبادت کے لیے اللہ کا گھر تعمیر کرنا ضروری ٹھہرا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: ''الأصلُ أن يُراعَ في أوضاعِ القُربات حالُ الأُمّة الّتي بُعِثَ الرّسولُ فيها وقامتْ بنُصرتِهٖ'' (حجۃ اللہ البالغہ، ج:2،ص:28) (یہ بات بہت اُصولی ہے کہ قربات بارگاہِ الٰہی تعالیٰ کی عملی شکلوں کے متعین کرنے میں اُس قوم کی حالت کی رعایت رکھی جاتی ہے، جس کی طرف کسی رسول کو مبعوث کیا جاتا ہے اور وہ اُمت اُس رسول کی نصرت کے لیے اُٹھ کھڑی ہوتی ہے)۔

اس پسِ منظر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو مراکز قائم کیے تھے: کل انسانیت کا پہلا مرکز اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر مکہ مکرمہ میں ''بیت اللہ الحرام'' کی صورت میں تعمیر کیا۔ بنی اسماعیل اس کے متولّی ہوئے اور انھوں نے ابراہیمی تحریک کی اَساس پر مکہ مکرمہ میں اجتماعیت کی تشکیل کی۔ اس کی تفصیل گزشتہ آیات میں بیان کر دی گئی ہے۔ چالیس سال کے بعد دوسرا مرکز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام اور اُن کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام نے ''بیت المقدس'' کی صورت میں تعمیر کیا، جو بنی اسرائیل کی تولیت میں حنفی تحریک کے لیے دوسرے مرکز کے طور پر کام کرتا رہا۔

اس تناظر میں بنی اسماعیل - خاص طور پر قریش - کی عبادات اور قرباتِ بارگاہِ الٰہی مکہ مکرمہ کی مرکزیت کے ساتھ طبعی طور پر جڑی ہوئی تھی۔ اور اسی طرح طبعی طور پر بنی اسرائیل - خاص طور پر یہود و نصاریٰ - کی عبادات اور قربات کا مرکز بیت المقدس کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ دونوں خاندانوں اور اُن کے حالی اور موالی قبائل بھی طبعی اور فطری طور پر ان دونوں ہی مراکز: بیت اللہ الحرام اور بیت المقدس کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔

آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں جب امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی تجدید کی اور اُسے تحریفات سے پاک کر کے اُس کی اصل تعلیمات کی طرف دعوت دی۔ قریش میں سے جو سابقون الاوّلون لوگ آپؐ پر ایمان لائے تو انھوں نے فطری طور پر حنیفی تحریک کے پہلے مرکز بیت اللہ الحرام ہی کو اپنی عبادات کے لیے اپنا قبلہ بنایا۔

حضور اقدس ﷺ جب اَنصارِ مدینہ - خاص طور پر اَوس و خزرج - کی دعوت پر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ملّتِ ابراھیمیہ میں قرباتِ الٰہیہ کے لیے متعین کردہ قبلہ کی اُصولی تعلیمات کی روشنی میں عنایتِ الٰہیہ اس بات کی طرف متوجہ ہوئی کہ انصارِ مدینہ - اَوس و خزرج - اور اُن کے جو حلیف یہودی قبائل تھے، اُن کی تالیفِ قلب کی جائے۔ اس لیے کہ یہی انصارِ مدینہ آپؐ کی نصرت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور مستقبل میں وہ ایک ایسی اُمت کی صورت میں ڈھل رہے تھے، جو کل انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے والی تھی۔ اس زمانے میں اَوس و خزرج کے قبائل' یہودیوں کے قبلہ بیت المقدس اور اُن کے علوم سے بہت متأثر تھے، بلکہ انھیں علمی طور پر اپنے سے افضل سمجھتے اور بہت سے کاموں میں اکثر اُن کی اتباع کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیان فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد، حدیث: 2164)

اس پسِ منظر میں آپ ﷺ نے اَوس اور خزرج کی تالیفِ قلب اور یہودیوں کو ملّتِ ابراھیمیہ کی اصل تعلیمات کی دعوت دینے کے لیے سولہ سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی تھی۔ اس میں یہ حکمت کارفرما تھی کہ ایک طرف مہاجرین صحابہ پر یہ بات واضح ہو جائے کہ دینِ حنیفی کل انسانیت کا دین ہے۔ اسے کسی ایسی جہت کے ساتھ وابستہ کر لینا ٹھیک نہیں، جو محض قریشی قومی عصبیت پر مبنی ہو، بلکہ کعبۃ اللہ کی مرکزیت کو اس لیے مانا جائے کہ اُسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کل انسانیت کے مرکز کے طور پر تعمیر کیا تھا۔ چناں چہ وہ قومی تعصب سے نکل کر صرف اللہ کے تعلق سے کل انسانیت کو اُسی کی طرف دعوت دینے کا فکر اپنے اندر پیدا کریں۔

دوسری طرف ان سولہ سترہ مہینوں میں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے میں یہ حکمت کارفرما تھی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی قائم کردہ مرکز ہے اور یہ کہ اَوس و خزرج - جو علمی طور پر یہودیوں کو اچھا سمجھتے ہیں - بھی مطمئن ہو جائیں اور اُن کے حلیف یہودی قبائل میں سے بھی جو مخلص لوگ ہیں، وہ ملّتِ حنیفیہ کے اس تجدیدی نظام کے ساتھ وابستہ ہو کر مسلمان ہو جائیں۔ (بقیہ: صفحہ 11 پر)

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

حیا کی اہمیت

عَنْ اِبنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ’’اِنَّ مِمَّا أَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّةِ، إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَافعَلْ مَاشِئْتَ‘‘. (صحیح بخاری، حدیث:3483)

(حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’بے شک انبیائے سابقین کی تعلیمات میں سے جو بات لوگوں تک پہنچی ہے کہ اگر تجھ میں حیا نہیں تو جو تیرا جی چاہے کرتا پھر‘‘۔)

حیا انسان کی ان اچھی عادات میں سے ہے جو اس کو بُرے کاموں سے روکتی ہیں اور اچھے کاموں کی طرف راغب کرتی ہیں۔ ’’حیا‘‘ کا لغوی معنیٰ ’’کسی کام کو کرنے میں جھجک محسوس کرنا‘‘ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان جب کوئی کام کرنے سے پہلے سوچتا ہے کہ یہ کام کرنا درست ہے یا نہیں۔ غور کرتا ہے کہ شرعی لحاظ سے یہ کام کرنا چاہیے کہ نہیں۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کا سبب تو نہ ہوگا۔ اس سے کسی قسم کا کوئی سماجی مسئلہ تو پیش نہیں آجائے گا۔ کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوگی، کسی بداخلاقی اور بے حیائی کا تو وہ مرتکب نہیں ہو جائے گا۔ اس طرح کے سوالات پر جب انسان غور کرتا ہے اور اس کو اپنے ضمیر سے اطمینان بخش جواب ملتا ہے تو پھر وہ اس کام کو کرتا ہے۔

رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق جس کو حیا کا یہ شعبہ مل گیا تو اس کی زندگی کا رُخ درست ہو جاتا ہے، اور اس کے زیادہ تر فیصلے درست ہوتے ہیں اور وہ بہت سی غلطیوں، گناہوں اور سماج میں فساد برپا کرنے سے بچ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسان کے اس فطری جذبے کو اس کی ہدایت، صلاح اور اچھے اعمال کا سبب قرار دیا۔

اس کے برعکس وہ شخص جو کوئی کام کرنے سے پہلے مذکورہ سوالوں پر غور کرنے کو نظرانداز کر دیتا ہے اور محض اپنی خواہش، اپنے ارادے اور اپنی کسی بھی غرض کو سامنے رکھ کر کام کرتا ہے اور بلا جھجک، بے دھڑک کام کرتا ہے، چاہے اس سے کوئی شرعی تقاضا نظرانداز ہو جائے، چاہے معاشرے کو پریشانی لاحق ہو، چاہے اس کے قریبی اعزہ، رشتہ داروں کے ساتھ اس کو بدسلوکی کرنی پڑے اور کوئی معاشرتی اور خاندانی فساد برپا ہو، وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا تو جس کا یہ رویہ ہو، رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے مطابق وہ بے حیا شخص غلط راستے پر ہے۔ گویا وہ ایک ایسا شخص ہے کہ جس کو نہ تو شریعت کی پرواہ ہے اور نہ ہی انسانوں اور معاشرے کی کوئی پرواہ ہے۔ تو جب اس میں اس قسم کا منفی رویہ وجود میں آجاتا ہے تو پھر اس سے کسی بھی بُرے کام کی توقع کی جاسکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے مطابق ہر انسان کو دیگر انسانوں سے متعلق ہر معاملے میں اس کی پرکھ کرنی چاہیے اور اس کو سوچنا سمجھنا چاہیے کہ وہ کام درست ہے یا غلط، جب ان سوالات کا اطمینان بخش جواب مل جائے تو پھر اس کام کو کرنا چاہیے، ورنہ انسان سے مختلف غلطیوں کے سرزد ہونے کا امکان ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت ابویعلیٰ شدّاد بن اوس انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت ابویعلیٰ شدّاد بن اوس بن ثابت بن منذر انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ مشہور صحابیٔ رسول تھے۔ آپؓ شاعرِ رسول حضرت حسان بن ثابتؓ کے بھتیجے تھے۔ بہت عبادت گزار، پرہیزگار اور خداترس انسان تھے۔ آپؓ کے کلمات‘ فصاحت و بلاغت اور حکمت سے بھرپور ہوتے تھے۔ معرکۂ بدر کے علاوہ دورِ نبویؐ کی تمام سرگرمیوں میں آپؓ شامل رہے۔ آپؓ عہدِ صحابہؓ میں مرجع علم و تفقہ تھے، اس لیے آپؓ فضلا صحابہؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت شداد بن اَوسؓ کے متعلق صحابہ کرام کی آرا درجِ ذیل ہیں:

حضرت عبادہؓ بن صامت اور حضرت ابودرداؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت شداد بن اَوسؓ کو علم و حلم عطا کیے گئے ہیں، حال آں کہ لوگوں کو عموماً ایک چیز دی جاتی ہے۔ حضرت ابودرداؓ مزید فرماتے ہیں کہ: ’’ہر اُمت میں ایک فقیہ ہوتا ہے اور اس اُمت کا فقیہ شداد ہے‘‘۔ فقیہ وہ ہے، جو علمِ حق اور حقائقِ زمانہ دونوں پر مکمل آگاہی و بصیرت رکھتا ہو۔ حضرت خالد بن معدانؒ فرماتے ہیں کہ: ’’شام میں کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے، جو حضرت عبادہ بن صامتؓ اور حضرت شداد ابن اوسؓ سے زیادہ قابلِ اعتماد، صاحبِ بصیرت اور اہلِ علم کے ہاں پسندیدہ ہو‘‘۔

آپؓ سے آپؓ کے بیٹے اور شام کے ابواشعث صنعانی، ابوادریس خولانی وغیرہ اہلِ علم نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپؓ سے کتب حدیث؛ مثلاً مسند احمد، سنن نسائی، ترمذی اور طبری وغیرہ میں 50 روایات موجود ہیں۔ حضرت شدادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’اس اُمت کے بدترین لوگ‘ سابقہ اہلِ کتاب کے طور طریقے مکمل طور پر اختیار کریں گے‘‘۔

’’طبرانی‘‘ میں ہے کہ حضرت شدادؓ مرض وفات میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ’’تم بے قرار ہو‘‘۔ عرض کی: دنیا تنگ لگ رہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ’’تم پر کوئی تنگی نہیں۔ عنقریب شام اور بیت المقدس فتح ہوگا، جس میں ان شاء اللہ تمھارے بعد تمھارے بیٹے پیشوا ہوں گے‘‘۔ گویا آپؐ نے حضرت شدادؓ کو دینِ حق کے غلبے اور مسلمان نسل کے مستقبل میں فتوحات کی بشارت دی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں حضرت شدادؓ کو شام کے شہر حمص کی گورنری پر فائز کیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کی شہادت کے بعد حضرت شدادؓ ملکی معاملات سے علاحدہ ہوگئے اور پھر عبادت و ریاضت میں مصروف وقت گزارا۔

حضرت شدادؓ عمر کے آخری حصے میں بیت المقدس تشریف لے گئے اور وہیں 75 سال کی عمر میں ۵۸ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ آپؓ کی قبر بیت المقدس میں ’’باب الرحمت‘‘ کے باہر موجود ہے۔

پانی کی انسان دشمنی
یا فطرت سے جنگ کا بھیانک انجام

پاکستان کی سرزمین اس برس پھر پانی کے بے قابو سیلابی ریلوں کی زد میں ہے۔ دریاؤں کے کنارے لرز رہے ہیں، کھیت کھلیان غرقاب ہو چکے ہیں، بستیاں اُجڑ گئی ہیں اور ہزاروں گھرانے فاقہ و دربدری کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔ یہ منظر محض ایک قدرتی حادثے کا نہیں، بلکہ ہماری اجتماعی زندگی کے آئینے میں جھانکنے کا موقع ہے کہ یہ پانی کا طوفان ہے یا ہماری بے تدبیری اور بے حسی کا حساب؟ جب آسمان پر بادل اُترتے ہیں تو بارش کی بوندیں زمین کے لیے زندگی کا پیغام بنتی ہیں۔ یہی پانی کھیتوں میں ہریالی اُگاتا ہے، دریاؤں کو گنگناتا ہے اور پیاسی دھرتی کو سیراب کرتا ہے، مگر جب یہی پانی انسانی بداِنتظامی کا شکار ہو جاتا ہے تو قہرِ الٰہی کا روپ دھار لیتا ہے۔ پاکستان کی حالیہ سیلابی صورتِ حال اسی المیے کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ بارشوں کا ہونا یا دریاؤں کا طغیانی اختیار کرنا کوئی غیر متوقع واقعہ نہیں۔ صدیوں سے یہ خطہ پانیوں کے اُتار چڑھاؤ کا مشاہدہ کرتا آیا ہے۔ اس سرزمین کے سینے پر بہنے والے دریاؤں سے ہماری تہذیب پھوٹتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہم نے اس وِرثے کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا ہم نے پانی کو دوست بنانے کی بجائے دشمن بنانے کا سامان خود نہیں کیا؟

دریاؤں کے بہاؤ کو روکا اور ان کے درمیان بستیاں بسا کر ہم نے خود کو موت کے دہانے پر کیوں کھڑا کیا؟ چراگاہوں اور ندی نالوں کے قدرتی راستوں پر قبضے کیوں کیے؟ برساتی پانی کے بہاؤ کو روکنے کے لیے ہم نے کنکریٹ کے جنگل تو اُگا دیے، مگر نکاسی کے راستے نہ چھوڑے۔ پھر ہم حیران ہوتے ہیں کہ بارش چند دن زیادہ برس جائے تو شہر جھیل بن جاتے ہیں۔ گویا ہم نے اپنی آنکھوں سے اپنی بربادی کا منظر خود تراشا اور پھر آسمان کو الزام دیا۔ سرحدی صوبے کے پہاڑی علاقوں میں بارشوں اور سیلابی ریلوں نے جو تباہی مچائی ہے وہ تو اپنی جگہ، اب تو یہ المیہ محض دیہی اور پہاڑی علاقوں تک محدود نہیں رہا۔ ہمارے بڑے بڑے شہر بھی پانی کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔ کراچی سے لے کر لاہور اور سیالکوٹ تک کی گلیوں میں پانی کا سمندر اُبل پڑا ہے۔ شہری زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں بجلی کے تار' موت کے پھندے بن جاتے ہیں۔ ہسپتالوں تک رسائی رُک جاتی ہے۔ ایک دن کی بارش' شہری منصوبہ بندی کی قلعی کھول دیتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اربوں کھربوں کے ترقیاتی منصوبوں کے باوجود ہمارا نظام چند دنوں کی بارش کے آگے کیوں کھڑا نہیں ہو پاتا؟

یہ صورتِ حال ہمیں دو سطحوں پر سوچنے پر مجبور کرتی ہے: ایک: ہماری ریاستی پالیسی اور عملی تدبیر کی سطح؛ اور دوسرے: ہماری اجتماعی سماجی واَخلاقی روِش کی سطح۔

ریاستی سطح پر دیکھا جائے تو ہر سال سیلاب آتا ہے، ہر سال لاکھوں لوگ متأثر ہوتے ہیں، مگر ہر سال ہم وہی پرانی فہرست سناتے ہیں: امدادی کیمپ، راشن کی تقسیم، چند دن کے لیے ہمدردی کے بیانات اور پھر خاموشی۔ کیوں ہم نے کبھی سیلابی پانی کو ذخیرہ کرنے کے پائیدار منصوبے نہیں بنائے؟ ڈیموں اور آبی ذخائر کی تعمیر کے بجائے ہم نے محض سیاسی نعروں میں وقت ضائع کیا۔ اس کے نتیجے میں آج ایک طرف کھیت پانی میں ڈوب رہے ہیں اور دوسری طرف تھر اور چولستان پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ گویا ایک ہی ملک میں ایک جگہ پانی کی کثرت اور دوسری جگہ پانی کی کمی عذاب بنی ہوئی ہے۔

مگر اس المیے کا دوسرا پہلو کہیں زیادہ خوف ناک ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کے بالادست طبقے کی اجتماعی غفلت، بے حسی اور خود غرضی کا پہلو ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ملکی ماحولیات کا توازن بگڑ چکا ہے، بے تحاشا درخت کٹ رہے ہیں، پہاڑوں کے پتھر توڑ کر زمین کا سینہ کنکریٹ سے پٹ چکا ہے اور فضا میں ماحولیاتی آلودگی کے بادل تیر رہے ہیں، لیکن ایک مخصوص طبقہ اپنے مفادات کی خاطر قدرت سے برسرِ پیکار ہے۔ پھر ہم قدرت سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ بارش کی بوندوں کو ہمیشہ رحمت بنائے رکھے؟

اہم سوال یہ بھی ہے کہ آخر ہم کب تک خود برپا کیے ہوئے حادثات کو تقدیر کہہ کر ٹالتے رہیں گے؟ کب تک سیاست دان سیلاب کو اپنی مقبولیت کا ذریعہ بناتے رہیں گے؟ کب تک میڈیا محض متأثرین کی تصویریں دکھا کر اپنی ریٹنگ بڑھاتا رہے گا؟ کب تک ہم' شہری اور دیہی عوام اپنے روزمرہ مفادات میں اُلجھ کر اجتماعی سوچ کو بھلا بیٹھیں گے؟ اگر ہم نے اپنی سوچ نہ بدلی تو پانی کا ہراَگلا ریلا پہلے سے زیادہ ہولناک ہوگا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم پانی کو دشمن کے بجائے دوست بنائیں۔ یہ تبھی ممکن ہے جب ہم بڑے ڈیموں اور چھوٹے آبی ذخائر کی تعمیر کریں، برساتی نالوں کو کھلا رکھیں، جنگلات کو دوبارہ اُگائیں، شہروں کی منصوبہ بندی کو انفرادی مفادات کے لیے بنائی گئی سوسائٹیوں کا کاروبار نہ بنائیں، بلکہ اپنے رہائشی منصوبوں کو سائنٹفک بنیادوں پر استوار کریں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم امدادی سیاست سے آگے بڑھ کر مستقل نظام کی پائیدار منصوبہ بندی کریں۔ ہر سال کی ہنگامی مہمات ہماری اصل ناکامی پر پردہ ڈالنے کا محض ایک حربہ ہیں، مستقل حل نہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ محض ڈیم اور سڑکیں مسئلے کا حل نہیں۔ اصل تبدیلی ہمارے نظام میں درکار ہے۔ ہمیں اجتماعی ذمہ داری کا شعور پیدا کرنا ہوگا۔ ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ قدرت کے عطا کردہ وسائل کے ساتھ اوچھے انداز میں کھیلنے کا نتیجہ ہمیشہ عبرت ناک ہوتا ہے۔ ہمیں اپنی اولاد کے مستقبل کے لیے آج اپنے انفرادی مفادات کی قربانی دینا ہوگی۔ اگر ہم نے اب بھی ہوش نہ کیا تو آنے والی نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی۔

سیلاب کی حالیہ تباہ کاریاں ہمیں چیخ چیخ کر بتا رہی ہیں کہ اب عارضی منصوبہ بندی کا وقت نہیں، بلکہ اس پورے ملکی نظام کو زیرِ بحث لانے کا وقت ہے۔ یہ سیلاب دراصل ہمارے اجتماعی اور قومی شعور کا امتحان ہے۔ یہ ہمیں پکار رہا ہے: اے اس ملک کے باسی! تُو نے اپنی زمین کو لوٹا، اپنے درختوں کو کاٹا، اپنے دریاؤں کو تنگ کیا، اب کیا تُو اپنی روِش بدلے گا؟ یا یوں ہی بربادی کے مناظر رقم کرتا رہے گا؟ کوئی قوم اگر چاہے تو پانی کے اس چیلنج کو بھی اپنے لیے رحمت میں بدل سکتی ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ خوابوں سے نکل کر حقیقت کی زمین پر منصوبہ بندی کرے۔ ہم اجتماعی شعور کو جگائیں۔ ہم قدرت سے ہم آہنگ ہوں۔ پھر یہ پانی قہر نہیں، زندگی کی نئی سبز کہانی بن سکتا ہے۔ (مدیر)

افکارِ شاہ ولی اللہؒ

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

''عقل'' سے متعلق احوال؛ احادیث کی روشنی میں (1)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه'' میں فرماتے ہیں:

(1۔ تجلی اور اس کی اقسام)

''تجلّی'': حضرت سہل بن عبداللہ تُستریؒ (۲۰۰-۲۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ: ''تجلّی'' تین ''احوال'' پر مشتمل ہوتی ہے: (1) تجلیٔ ذات: اور وہ ''مُکاشَفَه'' کو کہتے ہیں۔ (2) تجلیٔ صفاتِ ذات: اور وہ ''مَواضِعُ النُّور'' (مقاماتِ نور) ہیں۔ (3) تجلیٔ حکمِ ذات: اور وہ آخرت و مافیہا کے اُمور پر مشتمل ہے''۔

(1) ''مُکاشَفَه'' کا معنی: (''عقل'' پر) ''یقین'' کے غلبے کی ایسی حالت پیدا ہوجائے، گویا کہ وہ اُسے براہِ راست دیکھ رہا ہے اور ایسے مشاہدے کی حالت میں ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز ذہن سے بالکل نکل جائے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''الإحْسَانُ أنْ تَعبُدَ اللّٰهَ كَأنّكَ تَراهُ'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ، حدیث: 2) (احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ایسے عبادت کرو، گویا کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو)۔ جہاں تک براہِ راست ذاتِ باری تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا ہے، وہ آخرت میں ہوگا، دنیا میں نہیں۔

حضرت سہل تُستریؒ کی بیان کردہ دوسری قسم ''تجلیٔ صفاتِ ذات'' کی پھر دو قسمیں ہیں: (2) ایک قسم یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کے مخلوق میں جاری افعال کا مراقبہ کرے اور اُن میں اللہ کی جاری صفات کو اپنے سامنے حاضر کرے۔ پس اللہ کی قدرت کا یقین اُس کی عقل پر اس طرح غالب آجائے کہ اُن کے اسباب وغیرہ نظروں سے بالکل غائب ہوجائیں۔ اور خوف اور سبب و مسبب کے اُمور اُس کی عقل کے سامنے بالکل نہ رہیں اور اُس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس علم کا غلبہ پیدا ہوجائے۔ پس انسان ایسی حالت میں باقی ہو کہ اُس پر ذاتِ باری تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع، کسی سے مرعوب اور اُسی کے عشق میں مدہوش ہوجائے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''فَإنْ لَمْ تكُنْ تَرَاهُ فإنَّهٗ يَرَاكَ'' (ایضاً) (پس اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے تو پس وہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے)۔ اور ''مَواضِعُ النُّور'' (نور کے مقامات) سے مراد یہ ہے کہ: ''نفس'' بہت سے متعدد انورات سے منور ہوجائے اور وہ ایک نور سے دوسرے نور کی طرف تبدیل ہوتا رہے اور ایک مراقبے سے دوسرے مراقبے کی طرف متوجہ رہے، بہ خلاف ''تجلیٔ ذات'' کے کہ اُس میں کسی قسم کا کوئی تعدُّد اور تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

(امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: ''جب انسان کا نفس کائنات میں جاری اللہ تعالیٰ کے کسی ایک فعل کا تصور کرتا ہے اور اس فعل سے متعلق اللہ تعالیٰ کی صفت اُس کے ذہن میں حاضر ہوتی ہے اور اللہ کی قدرت کا اُسے پختہ یقین پیدا ہوگیا تو ایسی صورت میں اُسے ایک خاص نور حاصل ہوتا ہے۔ پھر اُس نے اللہ کے کسی دوسرے فعل کا مراقبہ کیا اور وہاں بھی اُس نے ایسے ہی تصور کیا، جیسا کہ پہلے کیا تھا تو اس دوسرے فعل میں بھی قدرتِ الٰہی کے مشاہدے کا نور حاصل ہوگیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے مخلوق میں جاری اللہ کے ہر فعل کا مراقبہ کیا، حتیٰ کہ اُس کا نفس بہت سے متعدد انوارات سے منور ہوجاتا ہے۔)

''تجلیٔ صفاتِ ذات'' کی ایک اَور (3) قسم یہ ہے کہ انسان ذاتِ باری تعالیٰ کی اس صفت کا مشاہدہ کرے کہ مخلوقات اور اُس میں موجود تمام صفات کی تخلیق بغیر کسی خارجی اسباب کے واسطے سے صرف اللہ تعالیٰ کے امرِ ''کُن'' سے ہوئی ہے۔ اور وہ صفات ''مقاماتِ نور'' ہیں اور اُن سے مراد ایسی نورانی اور مثالی شبیہ ہیں، جنھیں عارِف تب دیکھتا ہے، جب اُس کے حواس دنیاوی اشیا سے غَیبت کی حالت میں ہوتے ہیں۔

(4) تجلیٔ حکمِ ذات: اور تجلیٔ آخرت کا مطلب یہ ہے کہ انسان ''مجازات'' (جزا و سزا کے نظام) کو دنیا اور آخرت میں اپنی بصیرت کی آنکھ سے ملاحظہ کرے۔ اور اپنے نفس میں وِجدانی طور پر کچھ ایسا پائے کہ جیسا کہ ایک بھوکا اپنی بھوک کی تکلیف کو وِجدانی طور پر محسوس کرتا ہے اور پیاسا اپنی پیاس کی شدت اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

(احادیثِ مبارکہ سے ان چاروں اقسام کی مثالیں)

پہلی قسم کی مثال: حضرت عبداللہ بن عمر -رضی اللہ عنہ- کا وہ قول ہے کہ جب وہ طواف کی حالت میں تھے تو ایک آدمی نے انھیں سلام کیا اور انھوں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اُس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اَصحاب میں سے بعض سے شکایت کی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ''كُنَّا نَتَرَايَا اللّٰهَ فِي ذٰلِكَ الْمَكَان'' (رواہ بنو سعد فی الطبقات، ج:4، ص:64) (ہم اس جگہ اللہ کو اپنی بصیرت کی آنکھ سے دیکھ رہے تھے)۔ یہ حالتِ ''غَیبت'' کی ایک قسم اور ''فنا'' کی ایک حالت ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تینوں لطائف (نفس، قلب اور عقل) میں سے ہر ایک لطیفے پر حالتِ ''غَیبت'' اور ''فنا'' طاری ہوتی ہے۔ عقل کی غَیبت اور فنا کی حالت یہ ہے کہ اپنے ربّ کے ساتھ مشغولیت کے سبب سے اِردگرد کی تمام چیزوں کی معرفت ذہن سے ساقط ہوجائے۔ ''قلب'' کی ''غَیبت'' اور ''فنا'' کی حالت یہ ہے کہ اللہ کی ذات کی مشغولیت میں غیر اللہ کی محبت اور اس کا خوف بالکل ختم ہوجائے۔ اور ''نفس'' کی ''غَیبت'' اور ''فنا'' یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میں مشغولیت کی حالت میں نفس کی شہوات ساقط ہوجائیں اور شہوات سے لذت اُٹھانے سے باز رہے۔

دوسری قسم (یعنی: تجلیٔ صفات کی پہلی قسم) کی مثال: وہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیق وغیرہ جلیل القدر صحابہ -رضوان اللہ علیہم اجمعین- نے یہ بات کہی تھی کہ: ''الطَّبِيبُ أمْرَضَنِي'' (رواہ ابن ابی شیبہ، 262:13) (میرے طبیب نے ہی مجھے بیمار کیا)۔

(حضرت ابوبکر صدیق -رضی اللہ عنہٗ- جب بیمار ہوئے تو اُن سے کہا گیا کہ: کیا ہم آپ کے لیے طبیب کو بلا کر لائیں، جو آپؓ کا مرض دیکھ لے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ: ''طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے''۔ لوگوں نے پوچھا کہ: پھر اُس نے آپ کو کیا کہا؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ: ''اُس نے کہا ہے کہ: ''جو مَیں ارادہ کرتا ہوں، وہی کرتا ہوں''۔ (85-البروج: 16)

ایسے ہی حضرت ابودردا -رضی اللہ عنہٗ- سے ان کے مرض کے دوران پوچھا گیا کہ: آپ کو کیا تکلیف ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ: ''میرے گناہ''۔ پوچھا گیا: آپ کو اس وقت کس چیز کی خواہش ہے؟ فرمایا: ''اپنے ربّ کی مغفرت کی''۔ لوگوں نے کہا: کیا آپ کے لیے کسی طبیب کو بلا کر لائیں؟ انھوں نے فرمایا: ''طبیب نے ہی تو مجھے بیمار کیا ہے''۔) (احیاء علوم الدین، 246:4)

(حجۃ اللہ البالغہ، ابواب الاحسان، باب: 4، المقامات والاحوال)

اسلامی دور کی ناقابلِ فراموش شخصیات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

عثمانی سلطنت کے پانچویں حکمران؛ سلطان محمد اوّل

عثمانی سلطان بایزید یلدرم کی امیر تیمور کے ہاتھوں شکست اور تیمور کی قید میں وفات کے بعد بہ ظاہر ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ عثمانی سلطنت بہت کمزور ہوگئی ہے۔ اب دوبارہ سے وہ عروج وفتوحات حاصل نہ ہوسکیں گی۔ ایشیائے کوچک عثمانیوں کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ اس کے کچھ حصے ان کے سابق حکمرانوں کے قبضے میں آچکے تھے۔ یورپ میں بھی عثمانی سلطنت کے مقبوضات کی حالت کمزور تھی۔ بلغاریا، بوسنیا اور دیگر علاقوں کے عوام بھی بغاوت پر آمادہ تھے۔ بازنطینی سلطنت بھی اپنے علاقے واپس لینے کی تدابیر کر رہی تھی، لیکن ان حوصلہ شکن حالات میں بھی سلطنت عثمانی نے اپنی غیر معمولی بقائے حیات کا ثبوت دیا اور دس بارہ سال کے تھوڑے سے عرصے میں اپنے تمام علاقے واگزار کیے، بلکہ پہلے سے زیادہ قوت وطاقت کا عملی مظاہرہ کیا۔ بایزید یلدرم کے انتقال کے بعد ان کے بیٹوں میں آپس میں اقتدار کی رسہ کشی شروع ہوگئی۔ چھ لڑکوں میں سے ایک تو جنگ انگورہ (انقرہ) میں مارا گیا تھا۔ دوسرا جس کا نام موسیٰ تھا، وہ بایزید کے ساتھ گرفتار ہوگیا تھا اور باقی تین جان بچا کر بھاگ گئے تھے۔ جب ان شہزادوں میں اقتدار کی رسہ کشی اور محاذ آرائی شروع ہوئی، جس کے نتیجے میں باقی سب کو شکست دے کر محمد اوّل فتح یاب ہوئے اور ان کے سلطان ہونے کا اعلان کیا گیا، جس کا سلطنت عثمانیہ کی رعایا نے خیر مقدم کیا۔

سلطان محمد اوّل نے صرف آٹھ سال کے عرصے میں غیر معمولی اہلیت کا مظاہرہ کیا۔ داخلی انتشار کو ختم کیا۔ فوجی اور انتظامی صلاحیت اور بہتر حکمتِ عملی سے عثمانی سلطنت کا وقار بحال کیا اور سلطنت کو ویسے ہی مستحکم اور مضبوط کیا، جیسا کہ وہ تیموری حملے سے پہلے تھی۔ گرد و پیش کی چھوٹی ریاستوں سے صلح کے معاہدے کیے۔ بازنطینی سلطنت کے چند مقبوضات بادشاہ کو واپس کر دیے اور ان سے بھی صلح کا معاہدہ کیا۔ اس سب کچھ کے باوجود اگر کسی جنگ کی نوبت آئی تو اس حکمران نے ثابت کر دکھایا کہ وہ تدبیر، حکمتِ عملی اور فوجی قابلیت میں اپنے کسی پیش رو سے کسی طرح کم نہیں۔ تمام مؤرّخین اس بات پر متفق ہیں کہ محمد اوّل نہایت اعلیٰ اَخلاق کے مالک، کشادہ دل اور منصف مزاج تھے۔ تمام مذاہب واقوام کے لوگوں سے یکساں حسنِ سلوک کا برتاؤ کرتے۔ علمی وادبی ذوق کی وجہ سے علم وادب کی سرپرستی کی۔ انھیں کے دورِ حکومت میں عثمانیوں میں شعر وادب کا ذوق پیدا ہوا۔

بروصہ دارالحکومت میں عظیم الشان مسجد خضرا کی تعمیر کرائی، جو سنگ تراشی کا بہترین نمونہ خیال کی جاتی ہے۔ اس مسجد کے قریب ایک بہت بڑا مدرسہ اور ایک لنگر خانہ بنوایا۔ محمد اوّل کے دس سالہ دورِ حکومت میں اگرچہ سلطنت کی توسیع تو نہیں ہوئی، لیکن خانہ جنگیوں کے جو خطرات پیدا ہوگئے، ان سے حسنِ تدبیر سے سلطنت کو نکالا۔ ایشیائے کوچک کی دیگر ریاستوں کو سلطنتِ عثمانیہ کے دامن کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ اس پہلو سے محمد اوّل کو سلطنتِ عثمانیہ کے بانیوں میں شمار کرسکتے ہیں۔ اکتالیس سال کی عمر میں 1421ء میں ان کا انتقال ہوا۔ اپنی تعمیر کردہ مسجد کے پہلو میں مدفون ہیں۔

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، اسلام آباد

افغانستان رپورٹ

چار سال پہلے اگست کے مہینے میں امریکا اور طالبان کے درمیان طے پانے والے معاہدے کے نتیجے میں افغانستان میں بیس سال سے قائم جمہوری حکومت کا اختتام ہوا۔ اس عرصے میں افغان قیادت اور عوام کا رجحان بیرونی دنیا پر واضح ہو چلا ہے۔ اگست میں راقم الحروف کا کمپنی کی جانب سے نجی سیکٹر میں سرمایہ کاری کے مواقع جانچنے کے لیے کابل جانا ہوا۔ اس غرض سے وہاں متعدد حکومتی وزرا اور عُمّال سے ملاقاتوں کا موقع ملا۔ دوسری جانب معاشی میدان میں برسر کام چھوٹے بڑے کاروباری حضرات سے بھی ملاقات رہی۔ اس مدت میں امن وامان کی صورتِ حال میں خاطر خواہ بہتری آئی ہے، جس کی وجہ سے افغانستان میں کاروباری سرگرمیاں بھرپور ہیں۔

مخصوص مقامات پر طالبان پولیس نظر آتی ہے جو واقعی امن وامان کی ضامن ہے۔ مقامی لوگوں کے مطابق کم آبادی والے علاقوں میں بھی جرائم کی شرح نہ ہونے کے برابر ہے اور وہاں رات کو بھی سفر کیا جاسکتا ہے۔ اس پولیس کا رویہ تعاون کا عکاس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے بازار' ضروریات کے سامان سے بھرے ہوئے ہیں، جہاں چہل پہل معمول سے زیادہ نظر آتی ہے۔ روزمرہ استعمال کی چیزیں معیاری ہیں اور طالبان کی خود اِنحصاری کی پالیسی، جس کے تحت مقامی فنشڈ معدنی اور صنعتی پیداوار کو قانونی تحفظ حاصل ہے اور ان سے متعلق کسی بھی امپورٹ یا ایکسپورٹ کو کسٹم ڈیوٹیوں کی مدد سے مینج کیا جاتا ہے۔ اس لیے اشیا مقامی طور پر تیار ہوتی ہیں۔ وہاں پیپسی کوکا کولا وغیرہ نہیں ہیں۔ کھانے کی اشیا سستی ہیں اور ایک مزدور پاکستان کی نسبت آدھی قیمت پر ایک وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے۔ حالیہ سالوں میں مہاجرین کی واپسی نے رہائش کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے اور بیس لاکھ نفوس سے کابل کی آبادی میں اضافہ ہونے سے اب وہ ستر لاکھ کی آبادی کا شہر بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھروں کے کرائے آسمان کو چھو رہے ہیں۔ وہاں ہر قسم کی رہائشی سہولیات ہیں۔ روس، امریکا اور چینیوں نے بڑے بڑے ٹاور کمپلیکس تعمیر کیے ہیں، جہاں لاکھوں لوگ رہ رہے ہیں اور ان رہائشی منصوبوں کو پاکستان کے کسی بھی اچھے منصوبوں سے ملا کر دیکھا جاسکتا ہے، لیکن اس سب کی وجہ سے بجلی کی طلب میں دن بہ دن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، جسے حکومت فی الوقت پورا کرنے سے قاصر نظر آتی ہے، لیکن ایک ہزار میگاواٹ کے متعدد منصوبوں پر کام جاری ہے۔

شہر کی سڑکیں، گلیاں اور ہوٹل' لوگوں اور گاڑیوں سے بھرے رہتے ہیں، بالخصوص وہاں خواتین کی موجودگی قابلِ توجہ ہے۔ خواتین کو چھٹی کلاس کے بعد سکول میں تعلیم حاصل کرنا منع ہے، لیکن وہ کسی بھی سطح کی تعلیم آن لائن حاصل کرسکتی ہیں۔ اس کے لیے مقامی یونیورسٹیوں کو حکومت سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ خواتین عموماً صحت، تعلیم اور آئی ٹی کے شعبوں میں کام کرتی ہیں، لیکن ایونٹ مینجمنٹ جیسے شادی ہالز میں بھی اُن کی خاطر خواہ موجودگی نظر آتی ہے۔ (بقیہ: صفحہ 11 پر)

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

مالی میں فوجی بغاوتیں؛ اسباب، اثرات اور مستقبل کے امکانات

یورپ کی استعماری طاقتوں نے غلبے کے باعث افریقا کے متعدد ممالک کے وسائل پر قبضہ کر رکھا ہے۔ غاصبانہ تسلط قائم رکھنے کے لیے عوام کو پتھر کے عہد میں دھکیلا ہوا ہے۔ حکمتِ عملی کو مؤثر بنانے کی غرض سے خطے میں دہشت گرد تنظیموں کو پروان چڑھایا گیا۔ خوف و ہراس خطے کی شناخت بن گیا۔ سیاسی حلقوں کو آلۂ کار اور ریاستوں کے سربراہان کو یرغمال بنایا گیا۔ عسکری طاقتوں کو طالع آزما بنانے کے لیے انھیں جدید فوجی اسلحہ اور جنگی ساز و سامان سے محروم کردیا۔ جلتی پر تیل کے طور پر خطے کو تقسیم در تقسیم کے عمل سے ریاستوں کی شناخت مسخ کردی گئی۔ مالیؔ مغربی افریقا کا آٹھواں بڑا ملک ہے۔ شمال میں الجزائر، مشرق میں نائیجیریا، جنوب میں برکینا فاسو اور آئیوری کوسٹ، جنوب مغرب میں گنّی اور مغرب میں سینی گال اور موریطانیہ واقع ہیں۔ شمال کی سیدھی سرحد مرکزی افریقی صحارا سے ملتی ہے۔ مالیؔ بمبارا زبان میں دریائی گھوڑا یا گینڈا کو کہتے ہیں۔ وفاقی دارالحکومت بماکو ہے۔ گزشتہ ایک دہائی سے سیاسی عدمِ استحکام، فوجی بغاوتوں اور خانہ جنگی جیسی گھمبیر صورتِ حال نے مالی کو گھیرا ہوا ہے۔ 2012ء سے اب تک متعدد فوجی بغاوتیں ہوچکی ہیں، جنھوں نے نہ صرف ملک کی سیاسی ساخت کو تبدیل کیا، بلکہ پورے خطے کو بھی متأثر کر رکھا ہے۔

اسیمی گوئٹا کا بنیادی تعارُف اور ذاتی تفصیلات: وہ 1983ء میں مالی میں پیدا ہوئے۔ وہ مالی فوج میں سینئر افسر ہیں، جنھوں نے خصوصی فورسز اور سیکیورٹی آپریشنز میں خدمات انجام دیں۔ ان کا تعلق فوجی انٹیلی جینس اور ایلیٹ یونٹس سے رہا، جہاں وہ دہشت گردی کے خلاف کاروائیوں میں شامل رہے۔ 2012 کی پہلی بغاوت: مالی کی فوج کے کچھ عناصر نے شمالی مالی میں طوارق باغیوں کے خلاف ناکافی حکومتی ردِعمل کے بعد بغاوت کی۔ باغی فوجیوں نے صدر امادو تومانی ٹورے کا تختہ الٹ دیا، جس کے بعد ابراہیم بوبکر کیتا کو صدر بنادیا۔ 2020 کی بغاوت: صدر کیتا کے خلاف عوامی احتجاجات کے دوران فوج نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بغاوت کی اور صدر کو گرفتار کرلیا۔ صدر کیتا نے استعفیٰ دیتے ہوئے کہا: ’’میں نہیں چاہتا کہ مجھے اقتدار میں رکھنے کی خاطر خون کی ایک بھی بوند بہائی جائے‘‘۔ 2021 کی بغاوت: عبوری صدر باہ نداو اور وزیر اعظم موکٹار وان کو گرفتار کر کے جنرل اسیمی گوئٹا نے مکمل اقتدار سنبھال لیا، جس کی استعماری قوتوں نے سختی سے مذمت کی۔

فوجی بغاوتوں کے کلیدی اسباب: (1) حکومتی نااہلی اور بدعنوانی: صدر ابراہیم بوبکر کیتا کے دور میں ’’سرکاری سطح پر بدعنوانی، ملک کے معاشی استحصال اور کچھ علاقوں میں شروع ہونے والے فسادات‘‘ کے باعث عوامی غصہ عروج پر پہنچ گیا۔ فوجی اہل کاروں کی کم تنخواہیں اور وسائل کی کمی نے بغاوت کے حالات پیدا کردئے۔

(2) عسکریت پسندی اور سلامتی کے مسائل: مالی کے شمالی اور وسطی علاقوں میں القاعدہ اور داعش سے وابستہ گروہوں کی کارروائیوں نے فوج کو ناکام بنا دیا۔ فوج ’’جہادی گروہوں کے خلاف خطرناک کاروائیوں‘‘ میں مصروف تھی، لیکن حکومتی حمایت نہ ہونے کے باعث ناکام ثابت ہوگئی۔ (3) معاشی بدحالی اور سماجی عدم مساوات: مالیؔ دنیا کے غریب ترین ممالک میں سے ایک ہے جہاں آبادی کا بڑا حصہ غربت کی لکیر سے پست ترین درجے میں زندگی گزار رہا ہے۔ قدرتی وسائل (سونا، یورینیم) کے باوجود عوام کو معاشی تنگ دستی جیسے مسائل کا سامنا ہے۔ (4) بین الاقوامی مداخلت اور فرانسیسی کردار: فرانس کی فوجی مداخلت (آپریشن سروائیول) دہشت گرد گروہوں کو تحفظ فراہم کرتی رہی۔ ردِعمل میں فوجی حکومتوں کو عوامی حمایت حاصل ہونا شروع ہوگئی۔

بغاوتوں کے اثرات: (1) سیاسی اثرات: قومی اداروں کی کمزوری: پارلیمنٹ اور عدلیہ جیسے ادارے غیر فعال بنادیے گئے۔ عبوری حکومتوں کا تسلسل: 2020 کے بعد سے مالی میں کوئی منتخب حکومت مستحکم نہ ہوسکی۔ (2) معاشی نتائج: معاشی پابندیاں: اکنامک کمیونٹی آف ویسٹ افریکن سٹیٹس (ECOWAS) نے مالی کی رکنیت معطل کردی۔ چوں کہ یہ تنظیم مغرب نواز حکومتوں کی تائید کرتی رہتی ہے، لہٰذا اس نے متعلقہ سرحدیں بند کردیں۔ غذائی عدمِ تحفظ: تجارتی پابندیوں سے خوراک اور ایندھن کی قلت پیدا ہوگئی۔ (3) سلامتی کے چیلنجز: عسکریت پسندی میں اضافہ: فوجی بغاوتوں کے دوران دہشت گرد گروہوں نے شمالی علاقوں میں اپنا اثر ورسوخ بڑھالیا۔ روس کے واگنر گروپ کی مداخلت: فوجی حکومت نے فرانسیسی فوج کی جگہ روسی فوجی کمپنی واگنر کے ساتھ سیکیورٹی کا معاہدہ کرلیا، جس سے خطے میں روسی اثر بڑھنے سے ملک استحکام کی راہ پر گامزن ہوگیا۔ (4) انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں: سابقہ فوجی حکومت کے دور میں سیاسی مخالفین کے خلاف تشدد، من مانی گرفتاریاں اور صحافیوں پر پابندیاں معمول بن گئیں تھیں۔

مستقبل کے امکانات: (1) فوجی حکومت کا مستقبل: فوجی حکومت نے 2024 میں صدارتی انتخابات کا وعدہ کیا تھا، لیکن اس میں تاخیر کے امکانات موجود تھے۔ فوجی رہنما اسیمی گوئیٹا عوامی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں، ان کا روسی حمایت یافتہ پالیسیوں پر انحصار ملک کو مغربی ممالک سے دور کر رہا ہے، جو خطے میں نئی صبح کی نئی کرن کے طور پر دیکھا جارہا ہے۔ (2) خطے میں سلامتی کے خطرات: ساحل کے خطے میں دہشت گرد گروہ اب بھی فعال ہیں اور مالی کی فوج ان کا مؤثر مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ مالی، برکینا فاسو اور نائیجر کے درمیان فوجی اتحاد (Alliance of Sahel States) خطے میں نیا سکیورٹی ڈائنامکس پیدا کرسکتا ہے۔ (3) بین الاقوامی ردِعمل: اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل مالی میں سیاسی بحران پر غور کرچکی ہے، لیکن روس اور چین کی ویٹو پاور کسی مغربی عمل دخل کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ افریقی یونین نے مالی کی رُکنیت معطل کر رکھی ہے، جس سے مالی علاقائی فیصلہ سازی سے باہر ہوگیا ہے۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

انسانی سماج کی تشکیل کے قرآنی اُصول

8/ اگست 2025ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:

’’معزز دوستو! کتاب مقدس قرآن حکیم ایسی عظیم الشان کتاب ہے جو انسانی تاریخ کا ایسا جامع تحلیل و تجزیہ کرتی ہے اور اس سے ایسے اصول اخذ کرتی ہے، جو رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے سماجی تشکیل کے بنیادی امور واضح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیشِ نظر انسانیت‘ سب سے اہم ترین اور احسن ترین مخلوق ہے۔ اس مخلوق کی اس کرۂ ارض پر بقا اور اس کی دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے انسانی سماج کا بہتر ہونا، اس کی سیاست کا بہتر ہونا اور اس کے معاشی نظام کا درست خطوط پر استوار ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسانی معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا۔

اس دنیا میں انسانی بقا اسی بات پر مضمر ہے کہ وہ اپنے سماج کے تمام تعلقات کو عدل و انصاف پر استوار کرے، وہ اپنے سیاسی احکامات اور فیصلوں کو ظلم سے پاک کرے، اپنے معاشی معاملات کو اعتدال و توازن کے ساتھ ایسے سرانجام دے کہ کوئی انسان بھوک و افلاس اور قحط کے ذریعے سے تباہ و برباد نہ ہو۔ انھی مقاصد اور اہداف کے لیے اللہ پاک نے انبیا علیہم السلام پر تمام شرائع مقدسہ کی ہدایات نازل فرمائیں۔ خاص طور پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعتِ محمدیہ حنیفیہ کل انسانیت کی فلاح و بقا کے لیے نازل ہوئی۔ آپؐ کے بعد انسانوں میں کوئی انسان نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہوسکتا۔ نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ دنیا بھر کی تمام اقوام، معاشروں، سوسائٹیز اور انسانی اجتماعیّتوں کی تشکیل کے لیے وہ اصولِ کلیہ اس کتابِ مقدس میں بیان کر دیے جائیں کہ جنھیں سامنے رکھ کر ہر دور کے حکما، عقلا اور مجتہدین‘ دین کے اُصولوں کی روشنی میں اپنا نظام بنا سکیں۔

پوری انسانیت چوں کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کی اولاد ہے، ان کی جسمانی ساخت اور نفسیات ایک جیسی ہیں تو ان کی ترقی اور کامیابی کے اصول بھی ایک جیسے ہی ہوں گے۔ سماج کی بہتری کے اُصول، سیاست کو درست خطوط پر استعمال کرنے اور معیشت کے متعلق اصولی تعلیمات تبدیل نہیں ہوسکتیں۔ انسان تبدیل نہیں ہوسکتا۔ اس کی ساخت، اس کی جسمانی نوعیت، اس کے جذبات، اس کی عقلیات، اس کی قلبیات میں تغیر نہیں ہوتا۔ کسی انسان میں دو دل نہیں ہوتے، دو عقلیں نہیں ہوتیں، دو نفس نہیں ہوتے۔ انسان جیسے آدم کے زمانے میں تھا ویسا ہی آج بھی ہے۔ البتہ ذرائع پیداوار کی جدت سے ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ اسی کو جدیدیت کہتے ہیں۔ اسی لیے نظام کی عملی شکلیں ہر دور کے معروضی تناظر کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔ وہاں کا نظام وہاں کے زمینی حقائق سے وابستہ ہوتا ہے۔ جیسے حالات، جیسی معروضی حقیقتیں، جیسے انسانوں کے تعلقات کی نوعیت ہوتی ہے، شریعت اور نظام ان کے حل کرنے کے مطابق وجود میں آتا ہے‘‘۔

قرآنی اُصولوں کی تفہیم؛ سیرتِ نبوی ﷺ کے تناظر میں

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

’’امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے انسانیت کی ہدایت کی کتاب مقدس قرآن حکیم ہم تک پہنچائی۔ یہ کتاب بنیادی انسانی اصولوں کو مختلف تمثیلات، واقعات اور مختلف انداز اور اسلوب سے سمجھاتی ہے۔ سورت الکہف مکی سورت ہے اور نبی اکرم ﷺ پر یہ سورت مکہ کے تقریباً آخری دور میں نازل ہوئی۔ اس وقت جب دین کا بین الاقوامی پیغام مکی سورتوں میں کل انسانیت کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے لیے تیار ہے۔ رسول اللہؐ کی محنت سے اللہ کی طرف یکسو ہو کر عبادت کرنے والے ’’حنیف‘‘ لوگوں کی ایک جماعت تیار ہو چکی ہے۔ اور اب اس میں یہ قابلیت اور صلاحیت کہ وہ دنیا کی اقوام میں دعوت کو عام کرے۔ ابوبکر و عمر عثمان و علی جیسے جلیل القدر صحابہ، ابوذر غفاری جیسے جان قربان کرنے والے جاں نثار ہیں، جنھیں ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین الاولین کہا گیا، وہ اپنے داخلی ڈسپلن نظم و ضبط کی بنیاد پر اپنی قرار واقعی حیثیت بنا چکے ہیں۔ اب بین الاقوامی دعوت اور پوری حنیفی تحریک کے مکمل نقشے اور روڈ میپ کو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

سورت الکہف اُن سورتوں کے سیٹ میں واقع ہے جن کا تعلق بین الاقوامی انقلاب سے ہے۔ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ سورت بنی اسرائیل سے لے کر سورت زمر تک وہ سورتیں ہیں جو قرآن حکیم کے بین الاقوامی نظام کے بنیادی اساسی امور واضح کرتی ہیں۔ ان کا آغاز بنی اسرائیل کو دعوتِ دین دینے سے کیا جاتا ہے اور اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرا کے اقوامِ عالم کے تمام انبیا علیہم السلام کو نبی اکرم ﷺ کی امامت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ آپ ﷺ کا بیت المقدس جانا اور تمام انبیا علیہم السلام کا آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنا‘ آپؐ کے بین الاقوامی انقلابی فکر کا آغاز ہے۔

سورت بنی اسرائیل وہ ہے جس میں بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل کا عالمی ملاپ‘ بنی اسرائیل کے مرکز بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ میں ہوا۔ چناں چہ وہ بنیادی اُصول جو ابراہیم علیہ السلام سے چلے آتے ہیں، سورت بنی اسرائیل کے تیسرے رکوع میں اللہ نے انھیں بیان فرمایا۔ حضرت ابراہیم سے لے کر تورات، انجیل اور زبور میں پورے تسلسل کے ساتھ یہ اُصول بیان ہوتے چلے آرہے ہیں۔ قرآن میں اس کا خلاصہ بیان کیا کہ یہ وہ بنیادی اساسی اصول ہیں جو انسانی سماج کی تشکیل کے لیے ضروری ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اولاد کو بلاوجہ قتل نہ کرنا، زنا نہ کرنا، چوری نہ کرنا، ڈاکہ نہ مارنا، یہ عالمگیر اصول اس سورت میں بیان کیے گئے۔ اب ان اصولوں پر انسانی معاشروں کی تشکیل سے متعلق کچھ ایسے انداز میں ماضی کے واقعات بیان کیے جس سے خود محمد مصطفیٰ ﷺ کی مکمل سیرت مبارکہ آگاہ کرتی ہے، تاکہ اس کا پورا منظرنامہ انسانیت اور بین الاقوامی دنیا کے سامنے آجائے۔

سورت الکہف میں بیان کردہ چار واقعات کی اہمیت

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

قرآن کا انداز واسلوب یہ ہے کہ وہ واقعات کے ضمن میں آپ ﷺ کی جدوجہد کے اہداف و مقاصد واضح کرتا ہے۔ عام طور پر ظلم اور جبر کی حکومتوں سے متعلق گفتگو کا انداز اور اسلوب قصص و واقعات اور ناول و افسانوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس کہانی کے اندر ایک پیغام ہوتا ہے۔ کھلے عام آپ بات کہیں تو ظالم اور جابر حکومتوں پر براہِ راست اٹیک کی وجہ سے انقلابیوں کے لیے مشکلات پیدا کر دیتی ہیں۔ دنیا کے تمام انقلابات اسی انداز میں آگے بڑھے ہیں کہ جب انھوں نے انسانوں کو دعوت دینی ہوتی ہے تو وہ قصے کے تناظر میں بات کرتیں ہیں۔ قصہ ایک کہانی اور ایک تاریخ ہوتا ہے، اس ضمن میں ایک پیغامِ انقلاب ہوتا ہے۔ ''سورت کہف'' کی ابتدائی سات آٹھ آیات میں قرآن حکیم نے نبی اکرم ﷺ کی بین الاقوامی انقلاب کے لیے جدوجہد کا ایک بنیادی خاکہ بیان کیا کہ آپؐ کس لیے دنیا میں آئے؟ آپ کے مقاصد و اہداف کیا ہیں؟ پھر آیت نمبر 10 سے آخری رکوع کے اختتام تک اس سورت مبارکہ میں چار واقعات بیان کر کے ہر واقعے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مقاصد و اہداف بیان کر دیے ہیں۔

پہلا واقعہ اصحاب کہف کا بیان کیا۔ دوسرا واقعہ دو ایسے آدمیوں کا مکالمہ ہے، جس میں ایک بڑا مالدار ہے اور ایک انتہائی غریب ہے۔ دونوں ایک ہی نسل ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن مالدار غریب سے تکبر و غرور والا مکالمہ کرتا، دوسرا غریب مؤمن ہے، اس کو اصل حقائق سمجھا تا ہے۔ تیسرا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا ہے، اور چوتھا قصہ ذوالقرنین کا بیان کیا گیا ہے، یہ واقعات دراصل نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا مستقبل میں پیش آنے والا ایک مختصر نقشہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرمایا: ''ہر آیت اور قصے کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک اس کا باطن ہوتا ہے''۔ (مشکوٰۃ، حدیث: 227) ظاہر تو اس کا وہی ہے جو ماضی کے قصوں کی تناظر میں ہے۔ جیسے اصحاب کہف کا مفصل قصہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح ایک بستی کا واقعہ بیان کیا گیا کہ دنیا کی ہر بستی میں خدا کا انکار کرنے والے طاقتور، متکبر رہے ہیں۔ جب ان کے پاس دولت آجاتی ہے تو ان کی گردن میں سریا آجاتا ہے، اللہ کو بھول جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا بھی ماضی میں ایک واقعہ وقوع پذیر ہو چکا ہے۔ خود نبی اکرمؐ نے اس قصے کی تفصیلات احادیث کی کتابوں میں بیان کی ہیں۔ ذوالقرنین کا بھی ماضی میں گزرے واقعے کا ایک اہم کردار رہا ہے، لیکن قرآن ان چاروں قصوں کو بیان کرتا ہے اور پھر محمد مصطفیٰ ﷺ کی جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ساری زندگی کی جدوجہد ہے، اس کو ان قصوں کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اس طرح آپ ﷺ کی زندگی کے چار مراحل اس سورت مبارکہ میں بین الاقوامی انقلاب کے حوالے سے بیان کیے گئے ہیں، جو آپ ﷺ کی سیرت سے پوری مطابقت رکھتے ہیں''۔

آپ ﷺ کی سیرت کے چار مراحل؛ سورتِ کہف کے تناظر میں

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''سورت الکہف'' میں اصحابِ کہف کے واقعۂ غار کے ضمن میں آپ ﷺ کے غارِ حرا میں گزرے ہوئے پندرہ بیس سال کی ریاضت کی اہمیت واضح کی جا رہی ہے۔ مکہ مکرمہ میں تین سو سال پہلے عمرو ابن لحیٔ کے تین سو ساٹھ بت خانہ کعبہ میں رکھنے اور ظلم و ستم کا نظام قائم ہونے کے بعد دنیا بھر کے حنفا نے مکہ کے اردگرد کی غاروں میں خدا کی وحدانیت اور رُشد و ہدایت کے حصول کے لیے بہت ریاضتیں کیں، حتیٰ کہ آپ ﷺ سے پہلے غارِ حرا تحنُّث اور تعبُّد (شب بیداری اور عبادت گزاری) کے لیے اہمیت رکھتی تھی۔ قبل از نبوت نبی اکرم ﷺ کے بیسیوں سال غارِ حرا میں اللہ کی عبادت کرنے میں گزرے۔ گویا اصحابِ کہف کی دعا: ''اے اللہ! ہمارے معاملے میں رُشد و ہدایت کا راستہ تیار کر دے'' (18-الکہف:10) کی طرح آپؐ بھی دعاؤں میں مشغول رہے اور آپؐ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ یہ آپؐ کی سیرت کا ایک اہم مرحلہ ہے

آپ ﷺ کی سیرت کے دوسرے مرحلے میں مکہ مکرمہ کے سچے اور مخلص حنفا؛ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ایسی اجتماعی طاقت دینا جو مکہ کے متکبر مالداروں کے مقابلے میں توحیدِ خالص پر قائم رہ کر انھیں سیدھے راستے کی ہدایت دینے کا کام سرانجام دیتی ہے۔ سورت الکہف کے دوسرے واقعے کے ضمن میں قرآن نے ایسے ہی حنفا کے ذریعے یہ بات سمجھائی کہ ''مال اور اولاد دنیا کی زیب و زینت کی چیزیں ہیں، جب کہ ''باقیاتِ صالحات'' (اچھی باقی رہنے والی چیزیں) اللہ کے نزدیک سب سے بہتر ہیں''۔ (18-الکہف:10) میں اسی دعوت کا پیغام پنہاں ہے۔ یہ وہ مکی دور ہے، جس نے آئندہ چل کر بہ قول امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ آپؐ کو ''رئیسُ مدینةٍ مِن مُدُن'' گویا مکہ مکرمہ کا سربراہ اور رئیس بنا دیا۔

آپ ﷺ کی سیرت کا تیسرا مرحلہ مدینہ منورہ میں ریاست کی تشکیل سے عبارت ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعے کے ضمن میں اُس تعلیم و تعلّم کو سمجھانا ہے، جس سے عملی طور پر ریاستی اُمور کی سیاست اور حکمتِ عملی وابستہ ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بہ قول: ''ساس (موسیٰ علیه السلام) بنی إسرائیل سیاسةً حسنة'' (تاویل الأحادیث: 231) کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی اچھی سیاست قائم کی تھی، اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منور میں بنی اسماعیل کی بہت اچھی اور عمدہ سیاست اور ریاست قائم کی تھی۔

آپ ﷺ کی سیرت کا چوتھا مرحلہ بین الاقوامی سیاست کا ہے۔ اس سیاست کا عملی اظہار بہ قول امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ: ذوالقرنین کے مشرق و مغرب اور شمال میں عدل و انصاف کے قائم کرنے سے متعلق ہے۔ اس کا آغاز قیصر و کسریٰ کے نام آپؐ کے مکتوبات اور غزوۂ تبوک سے ہوتا ہے اور اس کی تکمیل خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں ہوئی''۔

تحریر: مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری (ناظمِ اعلیٰ)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور کے پچیس سال؛ شان دار نقطۂ آغاز

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ مسند نشینِ رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور و بانی تنظیمِ فکرِ ولی اللّٰہی (پاکستان) 1950ء میں خانقاہِ رائے پور سے پاکستان آئے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے دونوں مشائخ؛ شیخ اوّل حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ (1950ء تا 1962ء) اور شیخ ثانی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ (1962ء تا 1992ء) کی زیرِ نگرانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے متوسلین اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہے۔ پھر 1992ء کے بعد خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے مسند نشین کی حیثیت سے یہ ذمہ داریاں نبھائیں۔

حضرت اقدسؒ نے اپنی اس پچاس سال (1950ء سے 1999ء) کی جدوجہد کے نتائج سمیٹتے ہوئے سلسلۂ عالیہ رحیمیہ ولی اللّٰہی سے وابستہ احباب کو ایک چھتری تلے جمع کرنے کے لیے لاہور میں ایک مرکز اور ادارہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس طرح آپؒ نے اپنے تربیت یافتہ احباب کے ذہنوں میں موجود خیالات کو زبان دی۔ چناں چہ ان احباب پر مشتمل مجلسِ شوریٰ نے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے زیرِ سرپرستی لاہور میں ایک اجلاس منعقدہ 26؍ستمبر 1999ء میں پاکستان کے تاریخی شہر لاہور میں ایک مرکز قائم کرنے کی تجویز منظور کی اور اس کے لیے ایک کمیٹی قائم کی کہ وہ اس سلسلے میں اس مرکز کے لیے نام اور احباب سے مالیاتی تعاون سے متعلق حکمتِ عملی پر مبنی ایک رپورٹ تیار کرے اور آئندہ اجلاس میں پیش کرے۔

پھر حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی زیرِ سرپرستی اسی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس منعقدہ 19؍نومبر 1999ء سکھر میں مذکورہ کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی، جس کی سفارشات کو اگلے دن 20؍نومبر 1999ء کے اجلاس میں منظور کر لیا گیا۔ اسی اجلاس میں اس مرکز کے نام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور'' پر بھی اتفاق ہوا اور لاہور میں ایک قطعہ اراضی خریدنے کے لیے فیصلہ کیا گیا۔ نیز اس کا دستوری خاکہ مرتب کرنے کے لیے بھی احباب کی ایک کمیٹی قائم کی گئی۔

پھر دسمبر 2000ء میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے زیرِ سرپرستی اسی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس جامعہ تعلیم القرآن ریلوے مسجد ہارون آباد میں منعقد ہوا، جس میں ادارہ کا دستوری خاکہ تشکیل دیا گیا اور اس کی مجلسِ منتظمہ اور اراکین کا تقرر کیا گیا۔ چناں چہ 11؍نومبر 2001ء کو ٹرسٹ کے دستور کو لاہور میں رجسٹر کروایا گیا۔ اس کے بعد ادارے کے لیے ایک قطعہ اراضی خریدنے کے لیے ادارے کی مقررہ مجلسِ منتظمہ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کے لیے جگہ کے انتخاب کے لیے کوششیں جاری رکھیں، یہاں تک کہ 14؍جولائی 2001ء کو ''کوئینز روڈ (شاہراہِ فاطمہ جناح) لاہور'' پر واقع موجودہ جگہ پر موجود عمارت (العزیز بلاک کے متصل قدیم عمارت) خرید کر لی گئی۔ دو ماہ تک اس کی تعمیر و مرمت اور تزئین ہوتی رہی۔

ادارہ رحیمیہ میں تعلیم و تربیتی پروگراموں کا افتتاح

بالآخر ۲۵؍جمادی الاخریٰ ۱۴۲۲ھ / 14؍ستمبر 2001ء بروز جمعۃ المبارک کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کی تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ اس مبارک تقریب میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی سرپرستی اور موجودگی میں چالیس روزہ ''تعارفِ قرآن کلاس'' کا آغاز کیا گیا۔ جمعۃ المبارک سے پہلے سرپرستِ اعلیٰ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ، صدر ادارہ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن مدظلہٗ، ناظمِ مالیات ادارہ حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی مدظلہٗ اور راقم سطور (ناظمِ اعلیٰ ادارہ) کے خطابات ہوئے۔ اس موقع پر ادارہ کی تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں کے تین بنیادی دائروں میں درج ذیل 12 اہداف و مقاصد اور جہات بیان کیے گئے:

الف: علومِ قرآنیہ کی بنیادی اور حقیقی تعلیمات نوجوان نسل کے سامنے پیش کرنا۔

اس کے لیے علومِ قرآنیہ کے چار بنیادی شعبوں:

تفسیر، حدیث، فقہ اور سلوک و طریقت کے حوالے سے:

1۔ قرآن حکیم کی مستند تفسیر کا شعور پیدا کرنا

2۔ احادیثِ نبویہؐ کی مسلمہ تشریح سے آگہی دینا

3۔ فقہ اور قانونِ اسلامی کی اجماعی تفہیم واضح کرنا

4۔ دینی تصوف اور سلوک و طریقت کی اساس پر باطنی تربیت اور تزکیۂ قلوب کے لیے انسانیت کے بنیادی اخلاق پر تربیت کرنا

ب: انسانی سماج کی تشکیل کے بنیادی علوم اور قرآنی اصول سے واقفیت بہم پہنچانا۔

5۔ عمرانیات (Sociology) اور اس کے قرآنی اصول

6۔ سیاسیات (Political Science) اور اس کے قرآنی اصول

7۔ معاشیات (Economics) اور اس کے قرآنی اصول

8۔ تاریخ (History) اور اس کے قرآنی اصول

9۔ فلسفہ (Philosophy) اور اس کے قرآنی اصول

10۔ حالاتِ حاضرہ اور قرآنی نقطۂ نظر سے ان کا تجزیہ کرنا

ج: علومِ قرآنیہ کی اساس پر روحانی، اَخلاقی اور شعوری تربیت کا اہتمام کرنا۔

11۔ مجالس ذکر و فکر کا اہتمام کرنا

12۔ مشائخ رائے پور کی صحبت اور ان کے معمولات کی پابندی کرنا

یہ مبارک افتتاحی تقریب حضرت اقدس رائے پوری رابع کی دعا سے اختتام پذیر ہوئی۔ اسی دن شام کو ادارہ میں مجلسِ ذکر کا پہلی دفعہ اہتمام کیا گیا اور عشا کی نماز کے بعد 8:30 سے 9:30 تک ''تعارُفِ قرآن کلاس'' کی کلاس کے لیے وقت مقرر کیا گیا۔ 25؍اکتوبر 2001ء کو اس کلاس کا اختتام ہوا، جس میں کل 77 شرکا کا داخلہ ہوا اور چالیس روز تک مسلسل راقم سطور نے آخری پارۂ قرآن حکیم کا درس دیا۔

بقیہ: درسِ قرآن چناں چہ جب یہ دونوں مصلحتیں پوری ہوگئیں اور مخلص یہودی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ۔ آپؐ پر ایمان لے آئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے ملّتِ ابراھیمیہ کے اصل مرکز کعبۃ اللہ کو اپنا قبلہ بنانے کا جذبہ آپؐ میں پیدا ہوا۔ چناں چہ آپؐ کو حکم دیا گیا کہ: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (2- البقرہ: 149) (آپ اپنے چہرے کو مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجیے)۔ اس پر یہود و نصاریٰ اور منافقین مسلمان بے وقوفوں نے بہت شور وشغب کیا کہ کیوں یہ قبلہ بیت المقدس سے بیت اللہ الحرام کی طرف بدل دیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا درجِ ذیل جواب دیا کہ:

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ط يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

(تُو کہہ! اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ پر)۔

ملّتِ ابراھیمیہ حنیفیہ میں اصل اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت اور اُس کے حکموں کی پابندی کرنا ہے اور دنیا کی مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی تمام جہات اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے لیے ہیں، خواہ تم کسی بھی جہت کی طرف رُخ کر کے اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھو تو اللہ تعالیٰ کو پاؤ گے۔ گزشتہ آیات میں واضح کردیا گیا ہے کہ یہودی اور عیسائی قومی تعصّبات پر مبنی تمام پہلوؤں کو چھوڑ و اور ملّتِ حنیفی کی اصل یہ بات جان لو کہ:

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (2- البقرہ: 115) (اللہ ہی کے لیے ہے مشرق اور مغرب، جس طرف بھی تم رُخ کرو گے، وہیں اللہ کو پاؤ گے)۔ اس لیے قومی عصبیت پر مبنی جہتِ قبلہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ دونوں مراکز اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کیے ہیں۔ جس طرف بھی رُخ کر کے اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرو گے، کامیابی پاؤ گے۔ چناں چہ ان سولہ سترہ مہینوں میں مخلص مسلمان مہاجرین قریشی عصبیت سے بالاتر ہو کر بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی اور حضور اقدس ﷺ کی ہدایات کے مطابق انھوں نے عمل کر کے دکھایا۔ اس طرح اُن میں "خَيْرُ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس" (انسانیت کے لیے کام کرنے والی بہترین اُمت) کا وصف پیدا ہوگیا۔

اسی طرح جب بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ الحرام کو اپنا قبلہ بنایا گیا تو مدینہ میں اسلام لانے والے انصار اور یہودیوں میں سے مخلص مسلمان یہود عصبیت پر مبنی جہتِ بیت المقدس سے نکل کر کل انسانیت کے مرکز کعبۃ اللہ کی طرف دیے گئے حکم پر دل و جان سے عمل پیرا ہوگئے اور یوں انسانیت کی ترقی کے لیے بنائی جانے والی جماعت کے اہم ترین رُکن کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کیا۔ خدا پرستی اور انسانیت کی ترقی کا یہ وہ "صراطِ مستقیم" ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیّت کے تحت مخلص مسلمان مہاجرین واَنصار کو یہ توفیق دی کہ وہ اس راستے کو اپنا کر ملتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کی پورے طور پر اتباع کریں اور اس کے مطابق اپنا جہد و کردار ادا کریں۔

اس لیے تحویلِ قبلہ پر بے وقوف لوگوں کا اعتراض کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اُن کی باتیں ملتِ ابراہیمیہ حنیفیہ کی تعلیمات سے عدمِ آگہی پر مبنی حماقت رکھتی ہیں۔

بقیہ: ملکی معیشت بازار میں لین دین افغانی کرنسی اور امریکی ڈالر میں ہوتا ہے، جب کہ ہمسایہ ممالک کی کرنسی بھی قبول کر لی جاتی ہے، لیکن ڈالر کو سب سے زیادہ پذیرائی ملتی ہے۔ سڑک پر جابہ جا منی ایکسچینج کے تھڑے لگے ہوتے ہیں جو کسی بھی کرنسی کو چینج کر دیتے ہیں۔ اندرون اور بیرون ملک کرنسی کی ترسیل عموماً ہنڈی اور حوالے کے ذریعے بلا روک ٹوک ہوتی ہے۔ کرنسی کی ترسیل کا یہ نظام ہمسایہ ممالک میں غیر قانونی آمدن کو صاف کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ بھی بن چکا ہے۔ تاجروں کو کسٹم ڈیوٹی کے علاوہ ٹیکس کی معلومات نہیں ہیں، جب کہ وہاں آمدنی پر 20 فی صد ٹیکس ہے اور سیلز ٹیکس دو فی صد۔ اس مقصد کے لیے آڈٹ فرمز کام کر رہی ہیں، لیکن ان میں مہارت کی کمی ہے۔ دوسری جانب طالبان کے پاس ایسی حکومتی مشینری کی کمی ہے جو اس ٹیکس کے نظام کو اندرون ملک مؤثر طریقے سے نافذ کر سکے۔ وہاں حکومتی لوگوں سے مل کر جس چیز کا سب سے زیادہ احساس ہوا، وہ اُن کی مہارت میں کمی تھی اور برین ڈرین کا کیا اثر ہوتا ہے؟ وہاں جا کر سمجھ میں آیا۔ اس وقت سولہ لاکھ افغان دنیا کے دیگر خطوں اور ملکوں میں مقیم ہیں اور وہ یقیناً افغانستان کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔

طالبان کی حکومت نے عام معافی کا اعلان کر کے اور لوگوں کی املاک کو تحفظ فراہم کر کے ایک اچھی شروعات کی ہے، لیکن یہ بہت ضروری افرادی قوت کو ابھی تک واپس لانے کے لیے ناکافی ہے۔ ان وجوہات کی وجہ سے حکومت مستقل معاشی وسائل کی کمی کا شکار ہے اور ان کے کئی منصوبے یا تو شروع ہی نہیں ہوتے یا بہت تاخیر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ طالبان ذمہ داران نے بتایا کہ پوری دنیا سے لوگ آتے ہیں، لیکن زیادہ تر بات چیت کر کے چلے جاتے ہیں اور کوئی کام نہیں کرتے۔ دوسرا پہلو جمہوریت کے دور میں جو پراجیکٹس کیے گئے ہیں، ان کے نقشے اور معلومات تتر بتر ہیں اور ان میں سے بیش تر غیر فعال ہیں اور اس وقت نجی سیکٹر میں بیس ہزار چھوٹے بڑے منصوبوں کی درخواستیں طالبان کے پاس رُکی ہوئی ہیں، جنھیں پراسیس کرنے کے لیے انفراسٹرکچر اور مطلوبہ مہارت نہیں ہے۔ اب ان پر کارکردگی کا دباؤ بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں عاجزی کا عنصر واضح تھا اور پہلی نشستوں میں ہی ان کی اقتصادی رابطہ کمیٹی، وزارتِ تجارت وصنعت اور وزارتِ ہاؤسنگ نے متعدد منصوبے ہمیں آفر کیے اور اس مقصد کے لیے حکومتی اشتراک کے متعدد فارمولے بھی سامنے رکھے۔ پاکستانی عوام سے طالبان کی محبت کا یہ عالم ہے کہ ہر دوسرا حکومتی عہدے دار پاکستان میں دہائیوں پر محیط زندگی گزارنے کے بعد واپس آیا ہے اور پاکستانیوں کو وہ اپنا بھائی اور مددگار سمجھتے ہیں، لیکن پاکستانی حکومت کے رویے سے مایوس ہیں۔ روسی، بھارتی، چینی اور عربیوں کی نسبت پاکستانی تاجروں کے حوالے سے وہ زیادہ اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ زبان اور ثقافت کا مشترک ہونا ہے۔ وہاں اسّی سے زائد این جی اوز کام کر رہی ہیں اور معاشرتی اور گھریلو صنعت میں کردار ادا کر رہی ہیں، جب کہ طالبان بڑے معاشی مسائل سے نبرد آزما ہیں۔ اس وقت عوامی سطح پر بالکل ویسے ہی کام جاری ہے، جیسے پاکستان میں ہوتا ہے۔

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

رفتارِ کار ---   رپورٹ: فہد محمد عدیل، گوجرانوالا

تکمیل کتاب "البُدُورُ البَازِغَه" وآغاز "فُيُوضُ الحَرَمَين"

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کے ہفتہ وار دروس کا سلسلہ جاری ہے۔ چناں چہ ہر ہفتے بدھ کے روز عشا کی نماز کے بعد شاہ صاحبؒ کی کسی نہ کسی کتاب کا درس حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری۔ دامت برکاتہم العالیہ۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے "حجۃ اللہ البالغۃ" کا سلسلۂ دروس قائم ہوا، جو کہ رحیمیہ ویب اور یوٹیوب وفیس بک چینلز پر نشر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحبؒ کی مایۂ ناز تصنیف "البدور البازغۃ" کے دروس کا سلسلہ 18 /جنوری 2023ء کو شروع ہوا۔ اس کتاب کا آخری درس مؤرخہ 20 /اگست 2025ء بروز بدھ کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں ہوا۔ اس موقع پر حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے کتاب کے تیسرے مقالے کی آخری "فصل" کا درس ارشاد فرمایا۔ اس موقع پر حضرت اقدس مدظلہٗ نے کتاب کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: "یہ کتاب ایک مقدمہ "فاتحۃٌ فی مسائل مِن الحکمۃ" اور تین مقالات پر مشتمل ہے۔ مقدمے میں فلاسفۂ یونان اور قدیم حکما کے حکمت سے متعلق چند بنیادی توہمات کا تنقیدی جائزہ لے کر دینِ اسلام کی روشنی میں وجودِ اقصیٰ (باری تعالیٰ)، حقائقِ کائنات اور انسانیت سے متعلق بنیادی اُمور کی وضاحت کی گئی ہے۔ پھر (1) پہلے مقالے میں انسانی ساخت؛ نفس، قلب اور عقل اور اُس میں جاری سات اَخلاق؛ حکمت، عفت، سماحت، شجاعت، فصاحت، دیانت، السمت الصالح اور چار اِرتفاقات بیان کیے گئے ہیں۔ (2) دوسرے مقالے میں اقترابات الٰہیہ اور اُس سے پھوٹنے والے اخلاقِ اربعہ یعنی طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت کے مضامین کے ساتھ ساتھ خیر وشر پر بحث کی گئی ہے۔ (3) تیسرے مقالے میں ملتِ قصویٰ، ملتِ ابراہیمیہ اور شریعتِ محمدیہ کے بنیادی اصول اور مقاصد واضح کیے گئے ہیں"۔

دو سال سے زائد عرصے میں حضرت اقدس مدظلہ نے کل 85 دروس ارشاد فرمائے۔ ان دروس میں لاہور، قصور، فیصل آباد، سیالکوٹ، گوجرانوالا، ساہیوال اور دیگر شہروں سے بڑی تعداد میں علمائے کرام، کالجز و یونیورسٹیز کے طلبا اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ نوجوان باقاعدگی سے شریک ہوتے رہے۔

"البُدُورُ البَازِغَه" کے تکمیلی درس میں بھی کثیر تعداد میں علما وطلبا نے شرکت کی۔ شرکا نے حضرت اقدس مدظلہ سے درخواست کی کہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دیگر تصانیف پر بھی دروس کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ چناں چہ اس موقع پر حضرت اقدس نے احباب کی پُرزور خواہش پر مؤرخہ 27 /اگست 2025ء کو حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک اور معروف تصنیف "فُيُوضُ الحَرَمَين" کی تدریس کا آغاز کرتے ہوئے اس کا پہلا درس ارشاد فرمایا اور شرکا نے اسی ولولے کے ساتھ اس کتاب کے درس میں شرکت کی اور آئندہ دروس میں بھی باقاعدہ شرکت کے عزم کا اعادہ کیا۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر   شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال مَیں سعودی عرب میں مزدوری کرتا ہوں۔ جتنا کماتا ہوں، اس سے اپنے گھر کا نظام چلاتا ہوں۔ میری ایک بیوی اور چار بچے ہیں۔ میری بیوی تقریباً پندرہ سال سے گھٹنوں کے مرض میں مبتلا ہے، جو کہ زیادہ بڑھ چکا ہے۔ اس کا چلنا پھرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ گھٹنے کا آپریشن کرنا پڑے گا۔ اس کے لیے بہت بھاری رقم مانگتے ہیں، جو کہ ہم میاں بیوی ادا نہیں کر سکتے۔ میری بیوی کی سگی بہن زکوٰۃ کے پیسے سے ہماری مدد کرنا چاہتی ہے۔ کیا اس رقم سے میں اپنی بیوی کا علاج کرا سکتا ہوں؟ (محمد نصیر احمد، چکوال)

جواب اگر خاتون شرعی نصاب (ساڑھے سات تولے سونا، یا اس کی مالیت کے برابر نقدی، یا ساڑھے باون تولے چاندی) کی مالک نہیں ہے تو وہ علاج کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال کیا ہمیں ہر چیز میں والدین کا حکم ماننا لازمی ہے؟ جیسا کہ میرے والدین پڑھے لکھے نہیں ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ساتھ والی یونیورسٹی میں پڑھ لو، حال آں کہ میرا ایڈمیشن بہت بڑی یونیورسٹی میں ہو رہا ہے، لیکن وہ ہمارے گھر سے بہت دور ہے، تو کیا ہمیں ان کی ہر بات ماننی چاہیے یا نہیں؟

جواب اولاد پر اُن تمام اُمور میں والدین کی اطاعت ضروری ہے، جن کی بجا آوری میں شریعت کا کوئی حکم پامال نہ ہوتا ہو۔ والدین اگر پڑھے لکھے نہ بھی ہوں، تب بھی ان کا تجربہ اور خیال قابلِ احترام ہے۔ گھر سے زیادہ فاصلے پر یونیورسٹی اگر واقعی تعلیمی حوالے بہتر اور مستقبل کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے اور والدین کی خدمت کے لیے گھر میں اَور افراد بھی موجود ہوں تو پیار اور ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے والدین کو قائل کرنے کی کوشش کی جائے، ورنہ گھر سے دوری؛ مالی، سفری اور رہائشی مسائل کا سبب بن سکتی ہے اور والدین کی فکر اس معاملے میں درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

بقیہ: عالمی منظرنامہ حاصلِ کلام: مالی میں فوجی بغاوتوں کی تاریخ درحقیقت غریب عوام اور ناکام حکمرانوں کے درمیان ٹکراؤ کی المناک داستان ہے۔ جب تک مالی کی حکومتیں عوام کی بنیادی ضروریات پوری کرنے، بدعنوانی ختم کرنے اور فوج کو پیشہ ورانہ بنیادوں پر استوار کرنے میں ناکام رہیں گی، خطے میں استحکام پیدا ہونے کے امکانات مسدود رہیں گے۔ بین الاقوامی برادری کو چاہیے کہ مالی میں عوام کے حقوق کے تحفظ کے لیے اب تک کی گئی کاوشوں کے لیے تعمیری کردار ادا کرے، نہ کہ پابندیوں کے ذریعے عوام کو مزید مشکلات میں ڈالے۔ مالی کی عوام پہلے ہی غربت، دہشت گردی اور سیاسی عدمِ استحکام کی مصیبتوں کا شکار ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس غریب ملک کو اپنی تقدیر خود سنوارنے کا موقع دیا جائے۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔